المازنی اپنے ادب کے آئینے میں

ڈاکٹر شمیم الحسن امانت اللہ، جواہر لال نہرو یونیورسٹی۔ دہلی

ابراہیم عبدالقادر المازنی جدید عربی ادب میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے عقاد اور شکری کے ساتھ ملکر مصر میں مشہور ادبی مدرسہ "الدیوان" قائم کیا۔ وہ اعلیٰ درجہ کے فنکار تھے۔ انھوں نے مقالہ، کہانی، ناول، ترجمہ اور شعر و شاعری غرض ادب کی ہر صنف میں اپنے لئے ایک اہم مقام پیدا کیا۔ بچپن ہی سے زمانہ کے ستم خوردہ ہونے کی وجہ سے مزاج میں ایک گونہ رونیت آگئی تھی۔ لیکن انھوں نے فراریت اختیار کرنے کے بجائے آلام زندگی اور غم روزگار کو پی کر مزاح کی شکل میں اسے دوبارہ نکالنے کی کوشش کی۔

چنانچہ کہتے ہیں کہ "میرے باپ خوشحال تھے۔ لیکن سب دولت لٹا دی۔ اور جب میں پیدا ہوا تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ یہ لڑکا بڑا ہوکر کہیں میری لاابالی پن پر میری گرفت نہ کرے اس لئے مارے ڈر کے وقت سے پہلے ہی اللہ میاں کے یہاں بھاگ چلے۔ اور ہم بچوں کو کس مپرسی کی حالت میں تنہا چھوڑ دیا۔ اب ماں ہی میرے لئے سب کچھ رہ گئیں، وہی ماں وہی باپ، وہی ساتھی، وہی دوست اور وہی معلمہ بھی، غربت اور مفلسی کے باوجود ہم سب کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہیں کی۔ بلکہ وقت سے پہلے ہی مجھے سیانا بنا دیا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ میں باہر گیند کھیل رہا تھا۔ ایک لڑکے سے جھگڑا ہوگیا۔ اس نے مجھے پیٹ دیا کیونکہ وہ مجھ سے عمر میں بڑا تھا۔ میں روتا ہوا گھر آیا۔ دیکھتے ہی ماں بولیں یہ لو! جب ہمارے گھر کا بڑا بوڑھا ہی رو رہا ہے تو ہم کمزور عورتیں کیا کریں گی۔ یہ سننا تھا کہ فوراً میں نے آنسو پونچھ ڈالے اور عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی نہیں روؤں گا۔ اور طے کر لیا کہ اب مجھے چھوٹا بچہ بنکر گیند سے نہیں کھیلنا ہے بلکہ ستم ہائے زمانہ کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہے۔ میں نے تیاری شروع کر دی اور جلدی جلدی تعلیم ختم کرکے لڑائی

کے لئے ہتھیار تلاش کیا تو وہ مجھے قلم کی صورت میں ملا۔

المازنی اعلیٰ درجہ کے نثر نگار تھے۔ لکھنے کو انھوں نے اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں لکھنے سے تھکتا نہیں۔ نیند سے اٹھتا ہوں تاکہ لکھنا شروع کروں۔ کھانا کھاتا ہوں تو کسی موضوع کے بارے میں سوچتا ہوں۔ ایک لقمہ پیٹ میں ڈالتا ہوں تو ایک سطر یا اس کا کچھ حصہ پیٹ سے نکال کر لکھ ڈالتا ہوں۔ سوتا ہوں تو خواب میں بھی کوئی نہ کوئی موضوع نظر آجاتا ہے۔ پھر ایکدم سے بیٹھ کر لکھنے لگتا ہوں لکھ لکھ کر پریس کے پیٹ میں ڈالتا جاتا ہوں۔ لیکن پریس ہے کہ اس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں، کہتا ہے کہ "هل من مزيد" کچھ اور ہو تو لاؤ۔ افسوس کہ جب میں سخت دل حسینوں کی محفل میں ہوتا ہوں جہاں لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں جنکے بارے میں عربی شاعر بہیار نے کہا ہے

آه على الرقة على خدودها لو أنها تسري إلى فؤادها

کاش حسینہ کے گالوں کی نرمی اس کے دل میں اتر جاتی، وہاں بھی میں یہی سوچتا رہتا ہوں کہ کل مطبع کے پیٹ میں کیا ڈالوں گا۔ پھر میں سڑک پر آجاتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ شاید یہاں دل بہلے گا۔ لیکن یہاں پر بھی میرا دل کہتا ہے کہ یہاں بھی تو کئی موضوعات ہیں جن پر مقالے لکھے جا سکتے ہیں، پھر فوراً میں اپنے کمرے میں جا کر لکھنے لگتا ہوں۔

المازنی نے اخبارات اور رسالوں میں بے شمار مقالے لکھے ہیں۔ انمیں سے کچھ کے نام یہ ہیں: البلاغ، الأساس، الہلال، الرسالۃ اور الثقافہ وغیرہ ان کے اہم مقالات کتابی شکلوں میں دوبارہ شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۱۶ سے اوپر ہے۔ اور رسلے اور مجلات جن میں ان کے مقالات شائع ہوئے ہیں ان کی تعداد بے شمار ہے، انھوں نے اپنی کئی کتابوں کے نام ایسے رکھے ہیں جن سے ان کے فلسفۂ حیات کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً قبض الريح، حصاد الهشيم، خيوط العنكبوت اور صندوق الدنیا وغیرہ۔

ظرافت اور بذلہ سنجی نے ان کی نثر میں ایک امتیازی شان پیدا کر دی ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں ملک شام میں تھا۔ ساتھ میں میری بیوی بھی تھیں، ہم بیروت کی ایک دوکان میں کچھ چیزیں خریدنے کی غرض سے داخل ہوئے تاکہ واپسی پر اپنے عزیز و اقربا کو ہدیہ کے طور پر دے سکیں۔ بیوی کی نظر اچانک بالوں والے ایک قیمتی اوورکوٹ پر پڑ گئی اور سوچنے لگیں کہ کاش یہ مجھے

مل جاتا. لیکن جب میں نے اس پر لکھی ہوئی قیمت پر نظر ڈالی تو سر چکرانے لگا۔ اور سوچا کہ اگر میں نے خرید لیا تو پھر دیگر اہم ضروریات کے لیئے ہم کو بھیک مانگنا پڑے گا۔ اچانک مجھے غشی آگئی۔ میری ایسی حالت بیوی نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی گھبرا گیئں لوگوں نے انھیں دماغ کے ایک ماہر طبیب کا پتہ بتا دیا۔ بیوی نے سوچا کہیں نہ ہو انھیں تشنج کا عارضہ ہو۔ وہ طبیب فرانسیسی تھا اور اعصابی بیماریوں کا سب سے بڑا ڈاکٹر تھا۔ اس نے میرے باپ دادا سے لیکر آج تک کی پوری تاریخ معلوم کی۔ اور پھر اسے پتہ چلا کہ بچپن میں کسی مصنوعی بچہ سے ڈر گیا تھا جس کے بدن پر گھنے قسم کا فرو تھا. اور اس کا اثر میرے دل و دماغ پر بڑا گہرا پڑ گیا۔ اس تاریخ سے جب بھی میری نظر فرو پر پڑتی ہے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔ میری بیوی جنھیں میری زندگی کا یہ حیرت انگیز واقعہ معلوم نہیں تھا. بولیں آخر اس کا علاج کیا ہے؟ اوہ کچھ بھی نہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے بس فرو پر ان کی نظر نہیں پڑنی چاہیئے۔ وہ ڈاکٹر سچ مچ بڑا ہی نباض تھا۔ آج تک وہ مرض مجھے بھی لاحق نہیں ہوا۔ اس میں احسان صرف ڈاکٹر کا ہی نہیں بلکہ میری بیوی کا بھی ہے جنھوں نے پھر مجھے ایسی چیز دیکھنے نہ دیا۔

المازنی کی تحریر مصری زندگی کی پوری طرح عکاس ہیں۔ انمیں مصری زندگی اپنی تمام خوبیوں روایات و تقالید، عادات و اوہام، خیالات و افکار، محاورے اور ضرب المثل، تمناؤں اور امنگوں اور غموں اور خوشیوں کے ساتھ پوری طرح جلوہ گر ہیں۔ انھوں نے مصری گھروں، زنانہ خانہ راستوں اور سڑکوں، مدارس و معاہد، اونچے اونچے محلوں اور تنگ و تاریک گلیوں اور کوچوں نیز مختلف موقعوں پر قومی اور مذہبی جلسوں اور جلوسوں، کھانے اور پینے کی عام چیزوں غرض ہر چیز کی عمدہ تصویر کھینچی ہے۔

المازنی کی نفسیات کو ایک خاص موڑ دینے میں ان کے گھر کے محل وقوع کا بہت بڑا دخل تھا۔ جو ایک بڑے سے مقبرے کے قریب تھا۔ وہ جگہ آتے جاتے ہر وقت انھیں موت و فنا کی یاد دلایا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں توریت کی ایک آیت پر کہ دنیا کی ہر چیز باطل ہے ایمان ہو گیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام کتابوں کے لئے ایسا ہی نام پسند کیا۔ یہ نام المازنی کے نظریہ کی اچھی تعبیر ہیں۔ انھیں پوری دنیا ایک وہم نظر آتی تھی۔ وہ اپنے مخصوص

انداز میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رات کا وقت تھا۔ میں مقبرے کے لسطے سے اپنے گھر واپس آرہا تھا۔ اچانک کسی بدبخت نے میرا راستہ روک لیا۔ اس کی شکل بڑی بھیانک اور ڈراؤنی تھی، بیچ میں کھڑا ہوگیا۔ میں بھاگتے بھاگتے پتھروں سے لڑکھڑا کر قبر کے ایک گڈھے میں گر گیا۔ نکلنا چاہتا تھا مگر نکل نہ سکا۔ میرا قدم ایک پتھر پر پڑا، کھڑا ہوا تو دیکھتا ہوں کہ ایک لمبا قد آور آدمی اپنی باہیں میری گردن میں ڈال رہا ہے۔

یہ محض ان کا تخیل تھا جو حقیقت کی طرح ان کے دل و دماغ پر چھایا رہتا تھا۔

المازنی کا بچپن بڑی غربت و افلاس میں گذرا تھا۔ جس کا احساس انھیں تا عمر رہا۔ چنانچہ ایک قصیدے میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں؛ ماں مصیبتوں میں گھبراؤ نہیں۔ جو وقت گذر گیا اس پر افسوس نہ کرو۔ ہماری قسمت میں جو کچھ بھی لکھا ہے وہ انصاف پر مبنی ہے اللہ میاں عدل و انصاف کے ساتھ تنگی اور فراخی دیتے ہیں۔ ہر مشکل ایک نہ ایک دن آسان ہو جائے گی۔

یہ قصیدہ ان کے صحیح دلی جذبات اور نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے۔ اور شاعری میں ان کے اصول اور نظریہ کی تشریح کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس بات کی دعوت دیتے رہے کہ قصیدے میں وحدت موضوع اور صدق تعبیر ہونی چاہیئے۔ جو قصائد خاص موقعوں یا مناسبات پر لکھے جاتے ہیں انمیں صدق نہیں ہوتا بلکہ تصنع ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا اثر بھی دل پر گہرا نہیں ہوتا۔ اسی نظریہ کو عام کرنے کے لئے انہوں نے عباس محمود العقاد اور عبدالرحمٰن شکری کے ساتھ مل کر "الدیوان" کی بنیاد رکھی تھی۔ جس میں انہوں نے اپنے زمانہ کے مشہور ادیبوں اور شعراء مثلاً مصطفیٰ لطفی المنفلوطی اور احمد شوقی وغیرہ پر تنقیدیں کیں۔ خیال تھا کہ پہلے ان شخصیات کو جو بتوں کی طرح ادب کے راستے میں کھڑی ہیں، منہدم کر دیا جائے اور پھر نئے سرے سے جدید عربی ادب کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔ لیکن افسوس کہ الدیوان کی صرف دو ہی جلدیں شائع ہوسکیں باقی آٹھ جلدیں جو کل ملا کر دس جلدیں ہوئیں، مکمل نہ ہوسکیں۔ بہرحال الدیوان کو بعد میں ایک تنقیدی ادبی مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اور آنے والے بیشتر ادبار اور شعراء پر اس کا

المازنی شاعر بھی تھے۔ لیکن زیادہ تر اہمیت انھیں نثر کی بنار پر حاصل ہوئی۔ چنانچہ بچی کے انتقال پر انھوں نے نثر میں ایک مرثیہ لکھ ڈالا۔ جس کے بارے میں ڈاکٹر مندور کہتے ہیں۔

کہ یہ مرثیہ ہمیں فیکر مر سیجو کی یاد دلاتا ہے جسے اس نے اپنی بیٹی کی وفات پر لکھا تھا جو ایک دریا میں اپنے شوہر کے ساتھ ڈوب گئی۔ اسی طرح ابن الرومی کے مرثیہ کی بھی یاد دلاتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کی وفات پر لکھا تھا۔ المازنی اپنی بیٹی (مندورة) کے بارے میں اپنے نثری مرثیہ میں اس طرح لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی میں اپنے کمرے میں ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھا رہتا ہوں، ایک کے بعد ایک ورق پھینکتا جاتا ہوں، ساتھ ہی کافی کی چسکی بھی لیتا رہتا ہوں، اچانک مجھے محسوس ہوتا ہے کہ پیچھے سے تمہارے نرم و نازک ہاتھ میں میری پیٹھ پر پڑ رہے ہیں۔ پھر تم انھیں ہاتھوں سے میری آنکھیں بند کرنے کی کوشش کرتی ہو۔ میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو تمہارے پھول سے مسکراتے ہوئے معصوم چہرے پر میری نگاہیں جم جاتی ہیں۔ ہٹاتا ہوں تو ہٹتی ہی نہیں۔ میں تمہارے نرم بالوں کو چھوتا ہوں۔ تمہیں دیکھ کر میرے دل میں ایک گونہ خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیتا ہوں اور جب آنکھیں کھولتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ تمہارا جسم ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ روح پرواز کر چکی ہے۔ میں انہیں ہاتھوں سے تمہیں قبر تک لے جاتا ہوں اور اندر کی مٹی کو برابر کرتا ہوں۔ چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو چن کر الگ کر دیتا ہوں کہ کہیں جسم کو تکلیف نہ دیں اور پھر تمہیں لٹا کر مٹی سے چھپا دیتا ہوں۔ اور پھر جمی ہوئی آنکھیں لیکر گھر آجاتا ہوں۔ میرے ہونٹوں پر بناوٹی ہنسی ہوتی ہے اور زبان پر ابن الرومی کا یہ شعر

لم یخلق الدامع لامرئ عبثا　　　اللہ أدری بلوعة الحزن

کسی کے آنسو بیکار نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ غم کی تڑپ کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

المازنی کا یہ تخیل تھا جیسں وہ اپنی بچی کو سامنے جیتا جاگتا دیکھتے ہیں، اسمیں نہ کسی قسم کی بناوٹ ہے اور نہ تکلف، اس سے المازنی کی حساسیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حساسیت کی یہی زیادتی قریب تھا کہ انھیں یاس و نا امیدی کے گڑھے میں ڈالدیتی یا پھر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیتی۔ مگر انھوں نے دنیا کو ایک کم مایہ اور حقیر شئی سمجھا اور ظرافت کا سہارا لیکر اپنے آپ پر فتح حاصل کرلی۔

المازنی کی ظرافت اور مزاحیہ نگاری ایک طرح سے کارٹونوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ جس میں مصری بذلہ سنجی اور ندرت بھی شامل ہے۔ بعض لوگوں نے اس ظرافت کو المازنی کی

بقیہ صد ۳۳